

مطبوعات

آثارک | تالیف جناب مرزا صاحب دہلوی - ضخامت ۲۸۸ صفحات - مجلد بجلد نفیس - قیمت دو روپے - طبع کے پتہ بہ - کتب خانہ علم و ادب، دہلی۔

مصنف نے ازراہ انکسار اس کتاب کو آثارک کی سوا کبھی قرار دیا ہے لیکن اگر وہ اسے "قصیدہ نعتیہ در شان آثارک

علیہ السلام" کے نام سے موسوم کرتے تو زیادہ موزوں ہوتا۔ پوری کتاب پر پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ترکی میں

ایک نئی جست ہو اتھا جو تمام ممکن التصو کلمات کا مجموعہ، جملہ عیوب نقائص سے منزہ، اور بڑی حد تک فوق البشری قوتوں سے

مسلح تھا۔ زندگی بھر اسے جو کچھ کیا خوب ہی کیا، قسم کھا کر بھی کہیں اسے غلطی سرزد نہ ہوئی، جہاں جس کسی انسان سے بھی اس کا

اختلاف ہو وہاں وہی حق پر تھا اور اس اختلاف کو نیا الہی برسر غلط بلکہ اختلافی گنہگار تھا، اس کے جن جن افعال پر دنیا میں

کہیں کسی وقت نکتہ چینی کی گئی ہے ان سب میں خطا و لغزش سے پاک نظر آتا ہے اور خطا اگر پائی جاتی ہے تو خود نکتہ چینی

میں کہ حضرت آثارک میں۔ قصہ مختصر یہ کہ مصنف الفاظ میں آثارک کی شخصیت قدیم اور جدید تاریخ میں بالکل منفرد نظر آتی

ہے اور ڈھونڈنے سے بھی کوئی انکا شیل نظر نہیں آتا۔ صلوا علیہ وآلہ۔

یہ تمام مبالغوں جس شخص کے حق میں کیا گیا ہے اسے مرے ہو ابھی کچھ بہت زیادہ دن بھی نہیں گزرے ہیں کہ باطنی کے

دھندلکے سے فائدہ اٹھا کر اسے دیونا بنا ڈالا جائے۔ پر لے زمانے کچھ کو آج ہاتھی بنا یا جا سکتا ہے مگر ہم عصروں کی آنکھوں

میں آپ کہاں تک خاک جھونکتینگے۔ بلاشبہ آثارک ایک اچھا جنرل تھا۔ قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی

جاتی تھیں۔ سیاسی تدبیر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا۔ اسکی رہنمائی میں ایک سنگسار خورہ قوم تباہی چم گئی اور

اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا۔ اس کا زمانہ پر اس کی جتنی چاہیے تعریف کر لیجئے۔ لیکن تہذیبی

و تمدنی مسائل میں اس کے علم و بصیرت کا معیار ہمارے کالجوں کے نکلے ہوئے عام "صاحب پیادروں" سے کچھ بھی زیادہ

اوپر نہ تھا۔ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے بعد جب احسان مند ترکی قوم کو اس نے اپنا گرویدہ پایا تو اسے اپنے متعلق یہ غلط فہمی

ہو گئی کہ میں حکیم بھی ہوں اور ایک نئی قوم کی تعمیر بھی صحیح طور پر سکتا ہوں۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اس ترکہ کی قوم کی تعمیر جدید کا کام تنہا اپنے ہاتھ میں لیا اور ان تمام لوگوں کو جو اس معاملہ میں کم از کم اسے زیادہ علم و بصیرت رکھتے تھے، میدان سے ہٹا دیا۔ اس وقت مطلق بننے کے بعد اسے جو کچھ کیا مغربی تہذیب کا ہر مشرقی نقال اُسکے سے اختیار پا کر وہی کرتا۔ کسی مجتہدانہ فکر، کسی قوت انتخاب، کسی صلاحیت تنقید اور کسی آزادانہ اختراعی قابلیت اُسکے پورے کارنامے میں ادنیٰ اشائبہ تک نہیں ملتا۔ خیالات، اصول، طریقے، سب ہی چیزیں تو وہ مفلس دماغ کا انسان یورپ سے مانگ لایا اور اپنے ذاتی اجتہاد سے ذرہ برابر کامیابے بغیر حوں کا توں اپنی قوم کے سر منڈھتا چلا گیا۔ اس سچا کر میں اتنی تمیز بھی نہ تھی کہ یورپ کے اسباب عروج اور اسباب تنزل میں فرق کرتا۔ عام سطحی النظر لوگوں کی طرح اس نے بھی یہی سمجھا کہ برسر عروج قوموں کی ہر چیز اچھی چیز ہے وہ مفید چیزوں کے ساتھ ایسی بیماریاں بھی ٹرکی میں آجائیں گی جبکہ خود یورپ کی زندگی آج تباہ ہو رہی ہے۔ یہ کونسا ایسا بڑا کارنامہ ہے جسکی بنا پر اس شخص کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے؟ دنیا کے تہذیبی معماروں کی صف اول میں تو درکنار وہ غریب تو انکی صف آخر میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں۔ ایک گانی نو میں کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیے تعریف کر لیجیے کہ بہت صحیح نقل کرتا ہے اور نقل و اصل میں ذرا فرق باقی نہیں رہنے دیتا۔ مگر کیا انشا پر وازدوں کی مجلس میں اسکو جلیز پر بھی کھڑے ہوئی جگہ مل سکتی ہے؟ ہم یورپ کے اُن ناخدا شناس مفکرین کی قدر کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنے دور طبع سے کسی نئے نظام فکر و مذہب عمل کی بنا رکھی۔ مگر اتارک اور رضا پہلوی جیسے غمزدگلاس آدمیوں کی ہم کیا قدر کریں جسکی پوری زندگی سے ایک اجتہادی کارنامہ بھی نکال کر نہیں بتایا جاسکتا۔

اتارک کی مہانڈ آمیز تعریف تو مصنف صرف اتنا ہی ظاہر کیا تھا کہ ان کا معیار کمال انسانی کتنا بلند ہے مگر جہاں انہوں نے اپنے ممدوح کو مسلمان اور وہ بھی پکا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہاں یہ راز بھی فاش ہو گیا کہ ماشا اللہ انکو اصدا کے جمع کرنے میں بھی پورا کمال حاصل ہے۔ ویساچہ میں جب ہم نے انکے یہ الفاظ پڑھے کہ اتارک کے الحاد و بے دینی کے افسانے، یورپ کی خبر رساں ایجنسیوں کے پھیلائے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے قدامت پرستوں کا گروہ محض مغربی پروپیگنڈا کا شکار ہو گیا ہے تو ہمیں توقع ہوئی کہ آگے چل کر شاید کچھ اتارک کے مسلمان ہونے

کی ایسی شہادتیں پیش کی جائیں گی جو اس پروپیگنڈا کی پوری طرح تردید کر کے اُس کی دینداری ثابت کر دینیگی۔ مگر جب اس بحث کا موقع آیا تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ فاضل مصنف نے اپنی تمام چیزوں کے انا ترک کے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے جو دراصل اس شخص کے نامسلمان ہونے کا ثبوت ہیں۔ وہ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ انا ترک نے اسلامی قانون ترک کی قلمرو سے ایک قلم منسوخ کر کے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون اور سوئٹزر لینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا۔ دراصل میں عورتوں اور مردوں کو مساوی قرار دیا۔ تعدد ازواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا۔ مصوری، بابت تراشی اور موسیقی کے معاملہ میں وہ مذہبی یا اخلاقی نقطہ نظر کے قائل نہ تھے اور ”ترکوں کے دماغوں سے اس مذہبی خیال کو ٹھوکرنے کے لیے“ انہوں نے خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بت بنا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، مصوری کے اسکول اور کلچ قائم کیے، اور مہذب اقوام کے مختلف طرز کے رقص رائج کیے۔ ”ترقی نسواں“ کے سلسلہ میں انہوں نے پردہ کا کلی استیصال کیا اور ترکی عورتوں کو آزادی کے ٹھیک اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا جس پر انکی مغربی بہنیں اس وقت کھڑی ہیں۔ ان سب واقعات کو بیان فرمانے کے بعد جناب مصنف پھر اپنی اس شکایت کو دہرائیں کہ ”ان انقلابی اصلاحات کے نفاذ سے یورپ کی بعض حریف قوتوں کو ترکی جمہوریہ اور غازی پاشا کی ذات کے خلاف بے دینی اور لامذہبی پروپیگنڈے کا موقع ہاتھ آ گیا“ اور یہ کہ ”اس غلط پروپیگنڈا سے اسلامی ممالک میں غازی پاشا اور انکی حکومت کے خلاف عام طور پر بدظنی پیدا ہو گئی“۔ سبحان اللہ! قرآن کے صریح احکام سے بغاوت، اسلامی قانون کی مکمل تفسیح اور اسلام کے اصول تہذیب تمدن کی کلی انحراف کے بعد بھی دینی و لامذہبی کا قصبہ صرف ”غلط پروپیگنڈا“ ہی رہا اور ان حرکات سے مسلمانوں نے جو کچھ نتیجہ نکالا اسکی حقیقت در بدظنی سے زیادہ کچھ نہ نکلی !!

فاضل مصنف جس امت کے تعلق رکھتے ہیں اسکی زبان میں ہر تعزیر کا نام ”اصلاح“ ہے۔ قرآن نے جو قانون پیش کیا ہے اس کو بدل ڈالنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی تہذیب کے اصولوں کو منسوخ کر دینا بھی ان لوگوں کے نزدیک ”اصلاح“ ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ انکو ایسی رائے رکھنے کا پورا حق ہے اور ہم اس حق کو ان سے

سلب نہیں کر سکتے۔ مگر ہمیں اعتراض جس چیز پر ہے وہ صرف یہ ہے کہ آخر یہ لوگ متضاد باتیں کیوں کرتے ہیں۔ مسولینی نے اشتراکیت کو رد کر دیا اور اس کی جگہ فاشزم اختیار کر لیا۔ ہر صاحب عقل آدمی اس واقعہ کو بطور ایک واقعہ کے تسلیم کرے گا اور کہے گا کہ مسولینی اشتراکی نہیں رہا بلکہ فاشست ہو گیا۔ ایک مسلک سے ارتداد کے بعد بھی کسی شخص کو کھینچ تان کر اسی مسلک کا پیرو ثابت کرنا ظاہر ہے کہ کسی صحیح ادماغ آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہمارا ہاں ”غیر مسلم مسلمانوں“ کا ایک عجیب الخلقیت گروہ پیدا ہو رہا ہے جو اسلام کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت کر کے ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کر لیتا ہے اور پھر اصرار کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم اس رد و قبول کے بعد بھی ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے اس حادثہ سے پہلے تھے۔ کیا یہ تناقض بیان کسی ذہنی الجھاؤ کی وجہ سے ہے، یا ان لوگوں میں ابھی اتنی قدامت پرستی باقی ہے کہ ایک پرانا فرسودہ نام جو باپ دادا کے دفتوں سے چلا آ رہا ہے اس کو کسی حال میں یہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے؟

یہ تبصرہ کچھ ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا ہے مگر مصنف کے چند ”شاہکار“ فقروں کی زیارت سے ناظرین کو محروم رکھنا ظلم سے کم نہ ہو گا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

دو وہ ترکی ادب و معاشرت اور رسم و رواج تک میں مانگے مانگے کا کوئی حقیقہ جز بھی

دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ترکی زبان تک کو بھی، جس میں صدیوں سے ایرانی اور

عربی زبانوں کے مشترکات گھل مل چکے تھے اور انفاذ بھی ایسے جنکے بدل ترکی زبان میں نہ

مل سکتے تھے، فادی پاشا نے غیر ملکی انفاذ سے پاک کر دیا۔

خط کشیدہ فقرہ کی تشریح میں اگر لگے ہاتھوں یہ بھی ثابت کر دیا جاتا کہ ہیٹ اور لاطینی رسم الخط

در اہل ترکوں سے یورپ دے مانگ لے گئے ہیں، تجارتی، فوجداری اور دیوانی قوانین دراصل ترکی

میں بنے تھے جنہیں اٹلی، جرمنی اور سوئٹزر لینڈ کے لوگ لے اڑے، اور انقرہ کی عمارات جس طرز

تعمیر پر مبنی ہیں وہ ترک اپنے ساتھ وسط ایشیا سے لائے تھے، تاویہ ایسا تاریخی انکشاف ہوتا جس پر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وہ ترک ایک نئی قوم بن گئے۔ نئے نئے سوہیلے اور نئے نئے ارادے ان میں پیدا ہو گئے۔

مغربی تمدن کا طلسم ٹوٹ چکا۔ اور اسی کے ساتھ یورپ سے ان کی وہ مرعوبیت

بھی رخصت ہوئی جو صدیوں سے ان کے دلوں میں گھر کیجے ہوئے تھی۔

دنیا میں آج تک جتنے طلسم ٹوٹے ہیں ان میں اس طلسم کا ٹوٹنا بس آپ ہی اپنی نظر سے ظالم

کچھ اس طرح ٹوٹا کہ پورے ملک میں اب وہی وہ نظر آتا ہے۔ اس نرالی قسم کی شکست تو لغت میں

وہ طلسم ٹوٹنے کا مفہوم ہی بدل ڈالا۔ اور یہ مرعوبیت کے رخصت ہونے کا معاملہ بھی کچھ کم عجیب

نہیں۔ بکری میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ بکری رہتے ہوئے بھیڑیے سے نہ ڈرتی۔ اب اس نے بھیڑیے

کی کھال اور ٹھالی ہے اور اپنی چال، ڈھال، آواز، ماہر چیزیں بھیڑیوں کی نقل اتار رہی ہے تاکہ بھیڑیے

اسے اپنا ہم جنس سمجھ کر چھوڑ دیں۔ ہم تو خدا سے چاہتے ہیں کہ بیپاری اسی چال کی بدولت جیتی رہ

جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ سابقہ ان گرگان بارہا دیدہ سے ہے جو اپنی جنس کے بہت سے بھیڑیوں

کو پھاڑ چکے ہیں۔ کاش اس جاہل انا ترک نے قرآن اور میرت محمدی کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم

پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعبیر کی ہوتی! اس کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک

محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالمگیر تبلیغی مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم تفاوت ہوتا ہے، تا تو وہ

اپنی قوم کو پولینڈ، ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ روسی اشتراکیت سے بیس گنی

زیادہ زبردست طاقت کے ساتھ چھوڑتا۔

مصنف کا سب سے زیادہ دلچسپ فقرہ یہ ہے اور میں اسی پر خاتمہ کلام ہے:

”انہوں نے مذہب کی اصلی روح کو برقرار رکھتے ہوئے درویشوں اور مولویوں کی خود ساختہ اجارہ داری کو ختم کر دیا۔ امتداد زمانہ کے باعث تو بہت سے جو اعتقادات کی صورت اختیار کر لی تھی انہیں دور کر دیا۔ مذہب اسلام کے متعلق آتا ترک کا نظریہ یہ تھا کہ مذہب تمدنی ترقیوں کی راہ میں حائل نہیں بلکہ دنیا کے سارے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس میں دنیاوی ترقیوں کا ساتھ دینے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس میں اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ درویشوں اور مولویوں کے وجود سے پیدا ہو گئی ہے۔ اسی خیال کے ماتحت ترکی سرزمین کو آتا ترک نے ملاؤں اور درویشوں کے وجود سے پاک کیا اور ترکوں کو مذہب اسلام کی اصلی روح سے مانوس ہونے کا موقع دیا۔ اور فی الحقیقت آتا ترک کا یہ اثنا بڑا کارنامہ ہے کہ مذہبی اصلاح کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔“

شاہدار مگر بے معنی: لفظا کا کتنا عجیب مجموعہ ہے! ان لوگوں کے چلک دار اسلام کی کیا تعریف کی جائے، اس کمبخت میں اس غضب کی چلک موجود ہے کہ دنیاوی ترقیوں کی خاطر قرآن کا قانون منسوخ کر دینے تک کی گنجائش اس میں نکل آتی ہے۔ اور اس ”مذہب اسلام کی اصلی روح“ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ ملا اور درویش کو سامنے رکھ کر اس طرح ڈاکٹنا مانیٹ سے ارٹائیے کہ قرآن و سنت بھی ساتھ ساتھ اڑ جائیں۔ اسکے بعد جو کچھ بچ رہے اس کا نام ”خالص روح اسلام“ ہے!